اردو غزل



محمد نقی نقوی

غزل نمبر ۱

جو عدو میری جان کے نکلے

میرے ہی خان دان کے نکلے

وہ تو بن ہی گئے تھے اپنے وکیل
ہم ہی کچّے زبان کے نکلے

پھر رہے ہیں وہ ہو کے خانہ بدوش
وہ جو مالک مکان کے نکلے

وہ بھی وہم و گمان کے نکلے
ہم بھی وہم و گمان کے نکلے

ان کے جانے سے مجھ کو خطرہ ہے
وہ جبھی یاں سے جان کے نکلے

اس کے بدلے تھے دیر سے تیور
پر اچانک زمان کے نکلے

کر گئے ہیں نشانہ اپنا خطا
تیر دل کی کمان کے نکلے

دل کی باتیں نقیؔ کی سن بھی لیں
وہ بہت تیز کان کے نکلے

غزل نمبر ۲

اس کا اب کوئی پوچھتا ہی نہیں

جس کا دنیا میں کچھ بچا ہی نہیں

ایک رستے میں راستے ہیں ہزار

ایک منزل کا راستہ ہی نہیں

غیر کے درد ہی کو سہتا ہوں

درد اپنا کبھی سہا ہی نہیں

ہم سفر پر نکل پڑے لیکن

کہاں جانا ہے یہ پتا ہی نہیں

آج اس سے ہوا کل اس سے ہوا

عشق کی کوئی انتہا ہی نہیں

اس کی اب یاد آ رہی ہے تمھیں
کوئی دنیا میں جب رہا ہی نہیں

عشق کا بھی عجیب سلسلہ ہے
آج تک جس کا سلسلہ ہی نہیں

میں فقط زندگی گزارتا ہوں
مجھ میں جینے کا حوصلہ ہی نہیں

مجھ کو اس سے نقیؔ جو کہنا تھا
میں نے اس سے کبھی کہا ہی نہیں

غزل نمبر ۳

یوں بھی دل بے قرار ہوتا ہے

عشق مثلِ بخار ہوتا ہے

میرا حافظ نجانے کیوں مجھ پر
تیغ لیکر سوار ہوتا ہے

جانے کیسا یہ باغ ہے کہ یہاں
ایک اک پھول خار ہوتا ہے

ہم کو برباد کر گیا لیکن
ہم کو اس سے ہی پیار ہوتا ہے

جانتا ہوں کہ آؤ گے نہ کبھی
پر ترِا انتظار ہوتا ہے

آ کے مجھ سے ہی مانگتا ہے ادھار

جس پہ میرا ادھار ہوتا ہے

ہو گئیں پوری خواہشات مرِی

دل مگر بے قرار ہوتا ہے

میرا دشمن بھی میرے مرنے پر

جانے کیوں سوگوار ہوتا ہے

جھوٹ کہتے ہیں آپ پھر بھی مگر

آپ کا اعتبار ہوتا ہے

اب یہ انسانیت کا عالم ہے

اس کو مار اس کو مار ہوتا ہے

عشق کی تیز دھار سے ہر روز

مستقل مجھ پہ وار ہوتا ہے

غزل نمبر ۴

تیر بھی خود کو مار لیتا ہوں

میں ہی خود کو سنوار لیتا ہوں

دوسروں کا ادھار دینا ہے
دوسروں سے ادھار لیتا ہوں

موت جب تک مجھے نہیں آتی
زندگی ہی گزار لیتا ہوں

رزقِ الفت نہیں کھلا مجھ کو
پیٹ بھر کے ڈکار لیتا ہوں

جیتنا چاہتا ہوں میں سب سے
اس لئے سب سے ہار لیتا ہوں

اس کو واپس بھی پھر نہیں دیتا

جب کسی سے میں پیار لیتا ہوں

روز الفت کے آسماں سے نقی

ایک تارا اتار لیتا ہوں

غزل نمبر ۵

سب کو میری طرح نڈھال کرو

عشق مشکل ہے، اور محال کرو

آستینوں میں سانپ ہیں تیرے

دیکھ کر اپنی دیکھ بھال کرو

عشق بچپن سے سنتے آئے ہیں

قائم اب بغض کی مثال کرو

اس نے پوچھا تعارفِ الفت

میں یہ بولا نیا سوال کرو

میں ترِی دید کو ترستا ہوں

خواب میں ہی سہی، وصال کرو

میں اک آسان آدمی ہوں نقیؔ

میرا جینا بہت وبال کرو

غزل نمبر ٦

خوف کب نامِ عشق سے ہے مجھے

عشق الزامِ عشق سے ہے مجھے

ہے محبت کا کاروبار مرِا

فائدہ دامِ عشق سے ہے مجھے

کر کے آغاز چھوڑ دیتا ہوں

خوف انجامِ عشق سے ہے مجھے

پیاس پانی سے بھی نہ بجھ پائی
آسرا جامِ عشق سے ہے مجھے

کود کر سب نے خودکشی کر لی
مسئلہ بامِ عشق سے ہے مجھے

بغض تحفے میں مل نہ جائے نقیؔ
ڈر تو انعامِ عشق سے ہے مجھے

غزل نمبر ۷

سکھا گیا ہے وہ کیا کیا مجھے عداوت میں
مرا وہ ایک عدو دوست تھا حقیقت میں

تب اس نے کھل کے نبھائی تھی دشمنی اپنی
میں ہو گیا تھا گرفتار جب محبت میں

تھا کس پہ اپنی سخا کا بڑا گھمنڈ مجھے
میں اپنا آپ کسے دے گیا سخاوت میں

یہاں پہ اتنی بھی ایمانداری اچھی نہیں
ذرا سا جھوٹ ملایا کرو صداقت میں

غزل نمبر ۸

روٹھ جانے کا ہے غرور مجھے
جبکہ حاصل نہیں عبور مجھے

اک غزل اور جب لکھی میں نے
رنج نے دے دیا سُرور مجھے

عشق کے آئینے پہ مار کے سنگ
کر دیا اس نے چور چور مجھے

جتنا آتا رہا مرِے نزدیک
مجھ سے کرتا رہا وہ دور مجھے

اور پھر تُو نے کر لیا اپنا
ایک دن خود پہ تھا غرور مجھے

ترِے خورشید سے بھی بڑھ کر ہے
میری قندیل کا یہ نور مجھے

میں نے اس کو بھلا دیا دل سے
اب وہ یاد آئے گا ضرور مجھے

تیری آنکھوں میں کھو نہ جاؤں نقیؔ
اس ادا سے تو تُو نہ گھور مجھے

غزل نمبر ۹

اس کا اک اک گزر نہیں بھولا

آج تک وہ سفر نہیں بھولا

میرا خود پر بھی اختیار نہیں
میں تجھے چاہ کر نہیں بھولا

اپنا فن تُو بھی کھو نہیں پایا
میں بھی اپنا ہنر نہیں بھولا

ایک پل میں بھلا دیا اس نے
میں جسے عمر بھر نہیں بھولا

میری جانب نہ آنا پھر سے کہ میں
تیرے جانے کا ڈر نہیں بھولا

مجھ کو ماں کی دعائیں یاد نہیں
لیکن ان کا اثر نہیں بھولا

یہ محبت نہیں تو کیا ہے نقیؔ
دور رہ کر اگر نہیں بھولا

غزل نمبر ١٠

آپ نے روٹھ جانا چھوڑ دیا
ہم نے بھی پھر منانا چھوڑ دیا

اس کا ایفائے عہد کیا کرنا
جس نے وعدہ نبھانا چھوڑ دیا

کہیں ایسا نہ ہو کہ خود گر جاؤں
دوسروں کو اٹھانا چھوڑ دیا

روز خوابوں میں ملنے آتا ہے
جس نے ملنا ملانا چھوڑ دیا

غزل نمبر ۱۱

سب مجھے کہتے ہیں بہرا یہ زمانے والے
جبکہ خود گونگے تھے آواز لگانے والے

میری قیمت نہ لگا پایا خریدار کوئی
بک گئے خود مجھے بازار میں لانے والے

یہ زمانہ بھی زمانہ تو وہی ہے لیکن
بس یہاں لوگ نہیں ہیں وہ پرانے والے

کس بھروسے پہ عدالت میں بھلا جائے کوئی
خود ہی مجرم ہوں جب انصاف دلانے والے

شاید اس واسطے میں تم کو نہیں بھول سکا
یاد رہتے ہیں مجھے، مجھ کو بھلانے والے

دوستی ان سے رہی میری سمندر کی طرح
کوششیں کرتے رہے آگ لگانے والے

آج وہ لوگ مرے زخم کا مرہم ہیں نقی
کل تلک مجھ پہ تھے تلوار چلانے والے

غزل نمبر ۱۲

محبت میں یہ سب کرنا پڑے گا
گلے دشمن سے بھی ملنا پڑے گا

یہاں پیسہ بہت مہنگا پڑے گا
مگر ہر آدمی سستا پڑے گا

جہاں میں اپنی عزت چاہتا ہوں
مگر اس کے لئے مرنا پڑے گا

سمندر کی طرف جانا ہے ہم کو
بیاباں کا ہمیں رستہ پڑے گا

کہ میرے دل کے اندر رہ رہے ہو
تمھارا درد بھی سہنا پڑے گا

فقط کلمہ ہی پڑھنا سب نہیں ہے
مسلماں بھی تمھیں بننا پڑے گا

کہا تھا تم نے سستا جھوٹ ہم سے
ہمارا سچ مگر مہنگا پڑے گا

غزل نمبر ۱۳

میں باغ تھا، بہار نے ویراں کیا مجھے
اس عشق نے تو کافی پریشاں کیا مجھے

میں ایسی نہر ہوں، جہاں آتے تھے تشنہ لب
پھر اپنی پیاس نے ہی بیاباں کیا مجھے

انمول اتنا ہوں کہ خریدا نہیں گیا
پھر خود دکاندار نے ارزاں کیا مجھے

میں اس میں خود کو دیکھتا ہوں مثلِ آئینہ
اس نے کچھ ایسے آنکھوں میں پنہاں کیا مجھے

کرنی ہے جنگ عشق کے میدان میں اسے
پردے کے پیچھے خود ہے، نمایاں کیا مجھے

اس سے نگاہ جب غلطی سے مرِی ملی
فوراً ہی اپنے عشق میں غلطاں کیا مجھے

میں اس کو جانتا ہوں کہ وہ ہے فریب دہ
لیکن تمھارے سچ نے بھی حیراں کیا مجھے